دورۂ انگلستان کے تاثرات

اَمَۃُ الرحمٰن صاحب محسنی ۔ علی گڈھ

گذشتہ موسم گرما میں تقریباً ڈھائی ماہ تک مجھے انگلستان میں قیام کرنے کا موقعہ ملا۔ وسطی اور جنوبی انگلستان کے متعدد شہروں قصبوں سے گذر ہوا۔ کہیں کہیں رک کر گھومنے پھرنے کا بھی اتفاق ہوا۔ زیرِ نظر جائزہ میں صرف چند خوش آئند حقائق و تجربات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جو ایک مسلمان کی حیثیت سے میرے مطالعہ میں آئے اور جن کو ایک امید افزا دور کا پیش خیمہ سمجھا جا سکتا ہے۔

انگلستان کی پریس رپورٹوں کے مطابق اب اس ملک میں اسلام کے نام لیواؤں کی آبادی پندرہ لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ چار سو مساجد کا قیام عمل میں آچکا ہے۔ ان سب مسجدوں میں ۲۴ گھنٹوں میں پانچ بار باآوازِ بلند اذان کی آواز گونجتی ہے ـــ کثیر تعداد میں مسلمان پنجگانہ نماز ادا کرنے کے لیے ان مسجدوں میں جمع ہوتے ہیں۔ وہاں کے اخباروں میں اس کا بھی ذکر دیکھا کہ تخمینہ کے مطابق عیسائی مذہب کے پیرو سال میں صرف ایک بار کرسمس کے موقع پر تقریباً ۱۷ لاکھ کی تعداد میں مختلف چرچوں میں جمع ہو پاتے ہیں۔ اس لیے یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ گذشتہ بیس سال میں انگلستان کی سرزمین پر اسلام کا اثر در سوخ بڑی آب و تاب سے بڑھا ہے۔

انگلستان میں مسلمان زیادہ تر تبدیلِ سکونت سے جمع ہوئے ہیں اور انھوں نے وہاں کے سماجی اور تہذیبی حالات پر نمایاں اثر ڈالا ہے۔ ان کے رہن سہن روحانی اقدار اور پسندیدہ کردار نے انگریزوں کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔ آپس کے میل جول نے ان تک اسوۂ حسنہ کی روشنی پہنچائی جس نے ان کے دلوں میں اسلامی آداب سیکھنے کا جذبہ پیدا کیا۔ اب وہاں نومسلم انگریزوں کی تعداد (مقامی جرائد کے اندازہ میں) پچاس ہزار کے قریب بھی جاتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو برضا و رغبت اسلام کے دائرہ میں آئے ہیں۔

میرے قیام کے دوران ہی انگلستان کی ایک مشہور صحافی خاتون (پولی ٹائن بی) کا ایک مضمون گارڈین کے ہفتہ وار ۳۱ جولائی کے شمارہ میں چھپا تھا جو غیر جانبداری کے اعتبار سے حقیقت افروز ہے۔ وہ جنوبی لندن کے ایک مکان میں دو نو مسلم خواتین سے ملی تھیں اور اس بنا پر ان کا انٹرویو سپرد قلم کیا تھا۔ پولی ٹائن بی کو ان خواتین نے بتلایا کہ وہ اپنی شادیوں سے پہلے ہی حلقۂ اسلام میں داخل ہو چکی تھیں اور جب ہی سے لباس کے سلسلے میں وہ دونوں شعار اسلامی کی پوری پابندی کرتی ہیں۔ بعد میں ان کی شادیاں بھی مسلم احباب کی تجویز کردہ جگہوں پر انجام پائیں۔ دونوں اب کئی کئی بچوں کی مائیں ہیں اور پورے اعتماد کے ساتھ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت اسلامی قدروں کی حدود میں کر رہی ہیں۔

یہ دونوں مسلم خواتین (نعیمہ اور سکینہ) ڈھیلے ڈھالے لبادے پہنے ہوئے تھیں۔ سر پہ سے چادر لاکر چہرہ کے گرد لپیٹ رکھا تھا۔ دیکھ کر کوئی بھی ان دونوں کو ایرانی یا مصری مسلم خواتین سمجھ سکتا تھا۔ صرف ان کی شستہ انگریزی کی گفتگو سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ خواتین انگلش ہیں۔ ان کی نشست و برخاست میں بھی اسلامی تہذیب کے آداب نمایاں طور پر محسوس کیے جا سکتے تھے۔ ان سے جب تک کوئی مخاطب نہ ہوتا وہ سنجیدگی سے خاموش بیٹھی رہتیں۔ سوال کا مناسب جواب دیتیں اور عام طور پر اجنبیوں سے بات چیت کرنے میں تامل کرتیں۔ جیسے کہ وہ چاہتی ہوں کہ ان کے مرد اس کام کو انجام دیں دریافت کرنے پر ان کے ذاتی حالات کا علم ہوا۔ جن کی تفصیل یہ ہے۔

نعیمہ: جن کی پیدائش، تعلیم و تربیت کیمبرج میں ہوئی تھی، ان کی والدہ جرمن کیتھولک تھیں، باپ انگلستان کے چرچ سے متعلق تھے۔ اور ہوائی افسر تھے۔ تقریباً پانچ سال پہلے نعیمہ کیمبرج میں ہی ایک سکریٹری کی پوسٹ پہ کام کر رہی تھیں۔ اس زمانہ میں اتفاقیہ طور پر ان کی ملاقات سوڈان کے ایک مسلم خاندان سے ہو گئی۔ نئے ملاقاتیوں کے عادات و اطوار۔ ان کے مذہبی معتقدات میل جول کے غیر رسمی اور پر خلوص انداز ایسے تھے جن سے وہ بہت متاثر ہوئیں۔ مغربی سوسائٹی کی اوپری اور رسمی خوش اخلاقی سے بالکل مختلف۔ نعیمہ نے بتلایا کہ وہ لوگ بہت ہی شریف، منکسر المزاج اور

بیحد شفیق تھے۔ انھوں نے ہی مجھے قرآن شریف کے ... انگریزی ترجمہ کی ایک جلد بطور ہدیہ دی۔ اس کتاب مقدس کے مطالعہ سے مجھے یقین ہو گیا کہ یہی صراط مستقیم ہے اور اس کا پیش کردہ نظام حیات ایک مکمل آئین ہے —— اس کے بعد مجھے اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا اور میں نے عیسائیت سے اپنا رشتہ منقطع کرنے کا اعلان کر دیا اور اپنی ایک مسلم دوست کا نام نعیمہ اپنے لیے تجویز کیا۔

سکینہ: یہ لنکا شائر کی رہنے والی ہیں۔ ان کی زندگی مذہبی قدروں سے کبھی بھی متاثر نہیں ہوئی تھی۔ وہ یونیورسٹی کی طالبہ تھیں اور ہپّی طرزِ زندگی کو اپنا چکی تھیں۔ ان کو ایک جہانگرد ہپّی کی طرح مراکو جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں کے دوران قیام میں ہی وہ اسلامی تہذیب و معاشرت سے واقف اور متاثر ہوئیں، اپنے جذبۂ تجسس کے زیر اثر انھوں نے مراکو میں بہت سے علم دوست لوگوں سے اسلام کے بارہ میں۔ اس کی تعلیمات اور دنیوی زندگی کی تنظیم کے بارے میں بہت سے سوالات کیے۔ ان کا کہنا ہے کہ تسلی بخش جوابات پاکر میرے دل و دماغ پر اسلام کے نقوش ثبت ہو گئے۔ یونیورسٹی آکر انھوں نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور اپنے رہن سہن اور لباس میں اسلامی طور طریقوں کو اپنا کر نمایاں تبدیلی پیدا کر لی۔ یونیورسٹی کے طلبائے طالبات اور قضا و قدر نے ردعمل کے طور پر تحقیر اور اجتناب کا رویہ اختیار کیا۔ چنانچہ وہ اس نام نہاد تعلیم ہی سے دست بردار ہو گئیں جس کا طرۂ امتیاز الحاد و انکار تھا اور جو دانشوری کے لیے شرط لازم کا درجہ رکھتی تھی۔ اس وقت ان کے مسلمان دوستوں نے ملیشیا کے ایک دیندار مسلم کا شادی کے لیے پیام پیش کیا جو منظور کر لیا گیا اور شادی کی اسلامی رسم ادا کر دی گئی۔ سکینہ اب شعائر اسلام کی پوری پابندی کے ساتھ اپنے خاوند اور بچوں میں بیحد مسرور زندگی بسر کر رہی ہیں۔

برطانوی مسلمانوں نے لندن میں ایک مرکزی ادارہ قائم کیا ہے جس کو برطانوی مسلمانوں کی انجمن کہتے ہیں (The Association for British Muslims)۔ اس انجمن کا قیام ۳-۴ سال قبل ہوا تھا۔ ابتدا میں یہ دوستوں کی غیر رسمی سی انجمن تھی لیکن اب یہ

ایک رجسٹرڈ (Association) ہے جس کا باقاعدہ دستور بنایا جارہا ہے جو رفاہ عام اور تعلیمی تنظیم پر مشتمل ہے۔

انجمن کے روح رواں ایک نومسلم انگریز رضی عبداللہ ہیں۔ پہلی ہی نظر میں آپ ان کو ایک پابند شریعت دینی رہنما پائیں گے مضبوط قوی اور شرعی ڈاڑھی رکھنے والا یہ مرد مومن ڈھیلا سا سفید کرتا اور ٹخنوں سے اونچا پاجامہ پہنے سر پر عربی عمامہ باندھے ایک جانے پہچانے مسلمان کا سراپا معلوم ہوتا ہے گفتگو کیجیے تو یہ شستہ مذاق رکھنے والا پاک فطرت انسان نور ایمان کی روشنی سے منور معلوم ہوتا ہے۔ ملت اسلام کا یہ بہادر سپاہی اپنی معاش کے لیے اسٹوک نیونگٹن (Stoknewingston) میں کتب اسلامیہ کی ایک دوکان لگاتا ہے۔ ہفتہ کے دن رضی عبداللہ، ریجنٹ پارک لندن کی مسجد میں بچوں کو درس قرآن دیتے ہیں۔ بچوں سے وہ ہلکے پھلکے انداز میں باتیں کرتے ہیں۔ خاص مذاحیہ انداز میں کبھی کبھی وہ مسلمان بچوں کو تنبیہ کرتے سنے گئے ہیں کہ "دیکھو پیارے بچو قرآن پاک پڑھنے کے ساتھ ساتھ اگر تم نے اسلامی آداب نہ سیکھے تو تم پھر سے عیسائی بن جاؤ گے۔

رضی عبداللہ قبول اسلام سے پہلے ایک معمولی برطانوی تاجر تھے اور ساتھ ساتھ انشورنس ایجنٹ کا کام بھی کرتے تھے۔ ان کی ساری تجارتی سرگرمیاں بحری ملازمین کے رہائشی علاقہ سے وابستہ تھیں۔ تقریباً پانچ سال قبل حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور اس روحانی تبدیلی نے ان کی کایا پلٹ کردی۔ یہ تن، من، دھن سے دینی خدمت میں ایسے مصروف ہوئے گویا آپ راستہ بھولے ہوئے تھے۔ اب ان کو منزل مل گئی ہے۔

رضی عبداللہ کے قریبی ساتھیوں میں ایک اور انگریز نومسلم داؤد رلیف ہیں۔ یہ اب بھی زیورات اور جواہرات کے تاجر ہیں۔ قبول اسلام سے قبل لندن میں ان کا شمار صف اول کے منکرین میں ہوتا تھا۔ ایک اور ساتھی محمد عیسیٰ ہیں جو برٹش لائبریری میں ترکی اور فارسی زبان کے مخطوطات کے ماہر کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک اور اہم معاون

یوسف اسلام میں جو کیٹ اسٹیونس (Cat Stevens) نامی مغنی کی حیثیت سے بہت مشہور و معروف رہ چکے ہیں۔

برطانوی مسلمانوں کی انجمن کے کام اور برطانوی ملت اسلامیہ کی تعلیم و تربیت کا مرکز وہ اسلامی ادارہ ہے جو عرصہ سے ریجنٹ پارک کی مسجد میں سرگرم عمل ہے۔ جمعہ یا ظہر کی نماز کے وقت وہاں مسلمانوں کا بڑا اجتماع ہوتا ہے کیونکہ دن میں زیادہ تر لوگ پرانے لندن کے کاروباری علاقوں میں کام کے لیے موجود ہوتے ہیں۔ اس مجمع میں عربی یا ایشیائی مسلمان تو آپ کو انگریزی یا نصف انگریزی لباس میں نظر آسکتے ہیں مگر انگریز نومسلم زیادہ تر عربی قسم کا جبہ پہن کر ہی نماز کے لیے آتے ہیں۔ خطبہ میں رضی عبداللہ کو یہ وضاحت کرتے سنا گیا ہے کہ برطانوی مسلمانوں کی انجمن کسی سیاسی جماعت یا کسی مسلم ملک کی اندرونی سیاست سے وابستہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ صرف اسلام کے روحانی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے وجود میں آئی ہے۔ یہاں صرف اسی درس حیات کی تعلیم ہوتی ہے جو نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ سو سال پہلے بنی نوع انسان کی دینی اور دنیوی بہبود کے لیے ہر خاص و عام کو سنایا تھا۔

اپنا ذاتی تجربہ بیان کرتے ہوئے وہ اعتراف کرتے ہیں کہ ۱۹۷۶ء میں وہ اسلام لائے تھے۔ ان کے بھائی نے ان کو کلام پاک سے متعارف کرایا تھا۔ اس وقت تک وہ دنیا کی عیش و عشرت سے پوری طرح لطف اندوز ہو چکے تھے۔ مگر روح مطمئن نہیں تھی۔ گویا وہ ایک بوزنہ کی مانند ایک درخت سے دوسرے درخت۔ ایک شاخ سے دوسری شاخ پر پھلانگتے رہے تھے کہ شاید اطمینان کی جگہ ملے۔ مگر اس مسلسل کو د پھاند کے باوجود سکون قلب میسر نہیں تھا اور جستجو کی یہ آخری جست تھی جہاں آخر کار قرآن کے مطالعہ سے حیات ابدی کی راحتوں کا سراغ میسر آیا ہے۔ اب میں محسوس کرتا ہوں کہ بوزنہ نہیں انسان ہوں اور خود کو پہچاننے لگا ہوں۔

اسی طرح کیٹ اسٹیونس یعنی یوسف اسلام بھی اب اپنا زیادہ وقت مسجد میں گزارتے

ہیں۔ اور انگلستان کی ملت اسلامی کی فلاح و بہبود کے منصوبوں کو کامیاب بنانے میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ انھوں نے ایک ترکی مسلم خاتون سے شادی کی ہے اور عنقریب پہلے بچے کے باپ بننے والے ہیں۔ انھوں نے خوش دلی کے ساتھ کہا کہ اہلی زندگی کی ذمہ داری اختیار کرنے کی صلاحیت مجھ میں کہاں تھی میں تو گانے کے ریکارڈوں کی ترتیب اور گانے بجانے کی محفلوں کے اہتمام ہی کو اپنا تمام وقت دیتا تھا اور اسی کو اپنا بڑا کارنامہ تصور کرتا تھا۔ بھلا میں اگلی نسل کے وجود اور اس کی ذمہ داریوں کے سلسلے میں سنجیدگی سے کیا سوچ سکتا تھا؟ یوسف اسلام اب پوری طرح یقین رکھتے ہیں کہ زن و شو کا مقدس رشتہ قائم کرنے اور اس کے آدابِ قرآن پاک کے اہم موضوعات میں سے ہیں۔

ایک اور نومسلم رقیہ لنڈا تھامس نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ عہد نو کی ترقی یافتہ سوسائیٹی میں عورت کی آزادی پر بہت زور دیا گیا ہے لیکن اگر فکر سے کام لیا جائے تو یہ معلوم کر لینا دشوار نہیں ہوگا کہ یہ انسان دوستی کی مانگ نہیں ہے بلکہ اس آزادی میں جنسی بے راہ روی کے تقاضے پوشیدہ ہیں۔ اسلام عورت کو کہیں زیادہ باعزت زندگی بسر کرنے کا حق دیتا ہے۔ عزت نفس کے ساتھ دنیا میں رہنے اور عمر گذارنے کے امکانات مہیا کرتا ہے۔ مغربی تہذیب کی اس دور کی بیماری یہ ہے کہ وہ ہر طرف سے بے راہ روی کے دروازے وا کرنا چاہتی ہے۔ اچھائی برائی کو الجھاؤ میں ڈال کر ایک عام انتشار پیدا ہو گیا ہے جس سے اب ہم اسلامی طرز زندگی اختیار کرکے ہی نجات پا سکتے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم میں سے ہر کوئی یہ سمجھ بیٹھے کہ "میں خدا ہوں" جو کچھ میں سمجھتا ہوں اس پر کوئی روک نہیں لگائی جا سکتی۔ یا تو ہم یکبارگی ایسا روحانی سکون حاصل کرنے کے خواہشمند ہوتے ہیں جہاں کوئی پابندی، مشقت اور محنت نہ ہو۔ یا پھر ہم جسم اور مادہ کی لذت کے علاوہ دوسرے اعلیٰ اقدار کے ایک سرے سے منکر ہو جاتے ہیں۔

بہرحال اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انگلستان میں ایک مضبوط اسلامی معاشرہ کی شروعات ہو چکی ہے۔ لندن، مانچسٹر، نوٹنگھم اور بریڈفرڈ جیسے شہروں کے رہائشی علاقوں اور بازاروں میں اور اسی طرح

شاید دوسری جگہوں پر بھی) اسلامی کارواں کے نقش قدم صاف نظر آتے ہیں۔

مسلمانوں کی دوکانوں کے شوکیسوں کے شیشوں پر جابجا اردو، انگریزی میں اعلانات نصب نظر آتے ہیں۔ ان میں مواعظ۔ مذاکرات، سیرت کے جلسوں، مجالس میلاد اور مشاعروں کے انعقاد کی اطلاعات درج ہوتی ہیں۔ اندر جائیے تو مانوس آواز کے ساتھ "اسلام علیکم" اور وعلیکم السلام کے خوشگوار کلمات سنائی دیتے ہیں مسلم اتحاد اور ملی خلوص ومحبت کی مسکراہٹیں بکھر جاتی ہیں۔ اللّٰہم زد فزد۔

میرے دوران قیام میں رمضان شریف کا بابرکت مہینہ بھی آیا۔ اس زمانہ میں وہاں طلوع و غروب کا فاصلہ بہت طویل تھا۔ اگر مطلع صاف ہوتا تو صبح کے ۴ بجے سورج اپنی پوری آب وتاب سے نمودار ہو جاتا تھا۔ اور رات کے دس بجے غروب ہوتا تھا۔ لیکن باوجود دن کی اس صبر آزما طوالت کے مسلمانوں کی بڑی تعداد نہایت ذوق وشوق سے فریضۂ رمضان ادا کر رہی تھی۔ سوچنے کا مقام ہے کہ ایک ماہ تک صبح ۳ بجے سحر کھا کر ۱۸ گھنٹے پورے صبر وسکون سے گذار کر روزہ افطار کرنا اور معمول کے مطابق تمام دنیاوی کاروبار ہمیشہ کی طرح انجام دینا ان مومنین کے لیے کس قدر صبر آزما ہوگا۔

آخر میں نہایت افسوس کے ساتھ کچھ ایسی باتوں کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے جن کے تدارک کی تدبیر سمجھدار مسلمانوں کو سوچنا چاہیے۔

وہ یہ کہ شہروں کی کچھ مسجدوں میں باہمی اختلافات ظاہر ہونے لگے ہیں بعض جگہ یہ اختلافات سنجیدہ صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ سننے میں آیا کہ ایک شہر میں ایسا جھگڑا عدالتی چارہ جوئی تک پہنچ گیا ہے جس قصبہ میں ہم مقیم تھے وہاں کی مسجد میں ایک روز کسی نماز کے وقت دو جماعتوں میں تصادم کی نوبت آگئی تھی جس کے نتیجہ میں مقامی پولیس کو مداخلت کرنی پڑی اور نقض امن کے خطرہ کے تحت مسجد میں تالے ڈال دیے گئے۔

اس قسم کے ناعاقبت اندیشانہ افعال پر قابو پانے کا کوئی راستہ پیدا کرنا ازبس ضروری ہے۔ غیر جانبدار ہمدردانِ ملت کو ان مسائل کی طرف فوری توجہ کرنے کی ضرورت ہے ورنہ اندیشہ ہے کہ اگر اس قسم کے مسائل اکثر پیش آتے رہے تو غیر مسلم آبادی افراد کی اس کمزوری کو مسلم معاشرہ کی کوتاہی